باب ۵

فراستِ مومن

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانْ

دائمی سجود وصلوٰۃ کی واردات:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ کتنی پیاری صلوٰۃ کی دعوت ہے، سجدہ بندگی کا شکرانہ ہے، بے ساختگی اور قرب کی نشانی ہے، عشق کی مستی ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانْ سب ہی سجدے میں ہیں۔ ایک ہی یکتائی ہے۔ جب زمین بھی وہی ہے، یہ جبین بھی وہی ہے۔ اور یہ بھی وہی ہے، وہی بھی وہی ہے، تو کون کس کو سجدہ کرے۔ یہ نجم یہ شجر دائم قائم سجود وصلوٰۃ میں ہیں تو اس کیف میں ماسواء ہے کہاں جو ہم لَا اِلٰہ کہیں۔ اس وحدت میں یہ 'ہم' کیا ہے؟ حقیقت دوام ہے جو ایک ہی ہے۔ یہ کل ہے، نئی آن نئی شان کے ساتھ ہے۔ یہاں 'ما' و 'تو' کہاں، هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ اس ایکائی میں نفس اور ابلیس کہاں۔ نفس اور ابلیس، یہ ان کے لئے ہیں جن میں غیریت، ہو دوئی ہو۔ جو 'من' و 'تُو' کی چکی میں پس رہے ہوں۔ لیکن جن کو نہ اپنی خبر ہو اور نہ خبر کی خبر، تو کیسی غیریت، کیسی دوئی، کس کی خبر۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی نہ نگاہ نیچی کی نہ آنکھ جھپکی، اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہوا۔ نظارہ نظر میں شامل رہا۔ ہوش آیا تو ایک بے پردہ ہوش۔ ہوش تو آئینہ قدرت کی جلا ہے اور مرد مومن کی شان ہے۔ نماز معراج المومنین، وہ لذت سجدہ۔ جھکے تو راز و نیاز کی باتیں۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاَوْحٰی یہ اس بندے کے نصیب میں ہیں جس نے انا اُمّتی کی کملی اوڑھ لی ہو۔ اُمّتی اُمّتی ہی اس کی آرزو ہو۔

فراست مومن کا حصول

اُمّت جو پانچ سو سال سے ذہانت یہود و ہنود و نصاریٰ کا شکار بنی ہوئی ہے اس سے قوم کو کس طرح

روشناس کراتے ہوئے اس کی راہ نکالی جائے۔ اس کا مستقبل کس طرح روشناس کراتے ہوئے اس کی راہ نکالی جائے۔ اس کا مستقبل کس طرح روشن کیا جائے۔ وہ راز کیا ہے جس سے قوم میں وہی فراست مومن آجائے جو اسلام کے ابتدائی دور میں اسے نصیب تھی۔ ہدایت من جانب اللہ کا ذریعہ وہی باطن کے راستے کھلنا ہیں۔ راز و نیاز کی باتوں کی کنجی، رجوع الی اللہ، رجوع الی الحق ہے۔ نماز یکسوئی، شدت کا ایک ذریعہ ہے۔ قوم کے باطن کی پکار ہے، قلبِ سلیم کی آواز ہے۔ ''دل کو اپنے وجود کی زمین میں گاڑ دو۔ اس کی جڑوں سے شجر طیبہ کے شجر کو خفی پانی سے تقویت ملے اور نورِ عقل کی روشنی پھیلے پھیلے۔ زمین کھود کر جڑوں کو دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہاں عجز اور غم کے آنسوؤں اور عمل صالح کے پسینے کی بارش سے دنیا کی گرد و غبار جو دھوپ کی راہ میں حجاب بن جاتے ہیں، دُھلتے رہیں۔ تب کہیں فراست مومن حاصل ہوتی ہے''۔

ایک ذرا سی دیر کے لئے اپنی سطح سے بلند ہو کر دیکھیں تو سب کے سب خواہ عوام ہوں خواہ خواص ہوں، خواہ مصلحین ہوں یا مفکرین، اپنے حاصل کردہ علم کو ہی اپنی مشعل راہ بنا بیٹھے ہیں۔ خود ہر قسم کی اصلاح سے اپنے کو مبرا سمجھ کر دوسروں کے پیچھے لگے ہیں اور وہ بھی شائد لاشعور میں اپنی ہی داد و ستائش یا عاقبت سنوارنے کی فکر میں۔ حالانکہ اسلام جمعی کردار میں ہے، فروغ میں ہے، دین فطرت ہے۔ جب تک مومنین اپنی فطرت باطنی کو پائے رہے، ظاہر میں بھی سر بلند رہے۔ اور باطن کے چراغ بھی روشن رہے۔ باطن فطرت میں نمو ہے، فروغ ہے، ارتقاء ہے۔ اس کی عمل پیرائی مادی ذہنی سطح پر بھی ہے اور قلب و روح کی سطح پر بھی۔ اپنے وجود کی زمین میں بھی ہے اور نورِ عشق کے آسمانوں میں بھی۔ انفاس میں بھی ہے، آفاق میں بھی۔ آج ہم اپنا جائزہ لیں تو ظاہری زندگی تک میں ذہنی خلفشار، مادی کشمکش اور نفسانفسی ہے۔ اسی لئے عمل و کردار کی نہ کوئی راہ متعین ہے، نہ اس میں اخلاص و شدّت ہے۔ قوم کی قوم میں ایک تساہل، بے دلی، سستی، خودغرضی، منافعت طلبی ہے۔ نفسانفسی کا یہ عالم ہے کہ لسانی، نسلی، علاقائی تفرقے ہیں، حسد، بغض، عناد، منافرت، چھینا جھپٹی، منافقت کا دور دورہ ہے۔ کہیں جاہ و اقتدار کی بت پرستی ہے، کہیں ظلم و استبداد کی گرما گرمی۔ غرض ہر قسم کی منفی صفاتِ نفس، آج پیرویانِ دین کے نصیب میں ہیں۔ نظر جب اپنی ابتلاؤں، اپنی

جڑوں سے ہی نہیں ہٹنے پاتی تو، مسلمانوں کی طرف کیسے رجوع ہوں۔

مسلمانوں کا اس حال تک پہنچ جانے کا سبب جاننے کے لئے، ان چیرہ دستیوں پر بھی نظر رکھنا ہوگی جو پانچ سو سال سے ذہانت یہود و ہنود و نصاریٰ کا عطیّہ ہیں۔ کیفیت یہ ہے کہ آج اس کا تجزیہ تک کرنا بذاتِ خود ایک دشوار عمل ہے۔ کو اس فتنہ سے کسی نہ کسی طرح مسلمانانِ عالم روشناس ضرور ہو گئے ہیں مگر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے راہ نہیں مل رہی۔ یہودیت اور برہمنیّت صرف مذہبوں کے نام نہیں۔ ان کی ہزاروں سال کی خود پرستی، نسلی غرور کے سبب آج یہ نفسِ کُل کے روپ ہیں۔ ان ہی کے تحت ان کے ذہن رسا کا عروج ہے۔ اب کئی صدیوں کی کوشش سے انہوں نے **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن** کے زمرہ سے اپنے کو نکال کر دوسروں کو ان منفی صفاتِ نفس سے آراستہ کر دیا ہے جو انہیں راندہ درگاہ رکھتے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے اپنے کو من حیث القوم دیکھیں تو کیا ہم اس جہنّم ارضی کے کنارہ تک نہیں پہنچ گئے۔ عوام کو تو خیر چھوڑیں کہ عوام الناس **عَلٰى دِيْنِ مَلُوْكِهِمْ** لیکن وہ خواص جو دین و وطن کے نام پر اصلاح کرنے کا نام لیتے ہیں، ان میں اپنی لیڈری کا غرور ہے۔ علم و دانش، فہم و فراست کا غرور ہے۔ حسب و نسب، حشمت و عظمت، جاہ و اقتدار کا غرور ہے اور جو شریف النفس ہیں ان کے لاشعور میں علم کا غرور ہے، اعمالِ صالحہ کا غرور ہے۔ ریاضت، عبادت، فہم دین کا غرور ہے، اور اس حد تک کہ اپنا تجزیہ اپنے علم و دانش کا تجزیہ تک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ایک خود فریبی، جھوٹی خود اعتمادی، خود اعتنائی، خود پرستی میں گرفتار ہیں۔ بات بھی کرتے ہیں تو اپنے علم و دانش اور ذہن و عقل کا سہارا لے کر۔ حالانکہ اس مادی عقل کی رسائی ہی کیا ہے۔ آج حسنِ اخلاق کا یہ حال ہے کہ دین کی پابندی کی طرف لوگوں کو رجوع بھی کرتے ہیں تو ترش کلامی سے، ڈنڈے کے زور سے، جس سے نہ اس شخص کی باطنی خوبیاں اجاگر ہوسکتی ہیں، نہ اللہ اس بے دلی اور بے گار سے خوش ہوتا ہے۔ ان مصلحین میں لوگوں کے حسن باطن کو نکھارے کی وہ تڑپ بھی نہیں جو ماں باپ کو بچے کے لئے ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ رحمۃ لِلعالمین کے وسیلے سے اُمّت کے ساتھ اُمّتی اُمّتی کی نسبت کہ ان کی حالت دیکھ کر بے چین ہو جائیں، آنسو بہائیں۔

نفسِ کُل کی کارفرمائی

اس طرح دیکھا جائے تو عقل و ذہانت اور ظاہر پرستی خواہ اپنی ہو یا ذہانت یہود و ہنود، ان کی اصل تو ایک ہی ہے، وہی نفس کل، جس کے تحت ہر عمل انسانی خودغرضی پر مبنی ہوتا ہے۔ نفسِ کل کی کارفرائی دو سطح پر ہے۔ نفس اور لطیفہ نفس۔ نفس کی سطح پر ذہانت کا نام عیاری، مکاری، دغا، فریب، ظاہری اصلاحی پروگرام، ظاہری مدد و اعانت، ظاہری معاشی اقتصادی اور معاشرتی اصلاحی پروگرام وغیرہ جو علم کی روشنی اور تہذیب کے نام پر ایک جال کی طرح دنیا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے پیچھے ذاتی اغراض، ریا، فریب، اپنی تہذیب و تمدن کی سربلندی، اپنا اقتدار کارفرما ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ تمام منصوبوں کے پیچھے حسن عقل و دانش اس طرح کارفرما ہے کہ عقل و دانش والے ہی اس جال میں زیادہ پھنستے ہیں۔

البتہ لطیفہ نفس کی سطح وہ ہے جہاں اپنے تمام اعمال کے پیچھے خلوص ہے، حسن اخلاق ہے، سچی ہمدردی ہے، فلاح انسانیت کا جذبہ ہے۔ یہی فطرت کے عین مطابق ہے۔ مثبت صفت ہے۔ اس فطری جذبے کی کارفرمائی پاکیزگی میں دیکھنی ہو تو بچوں میں دیکھیں خواہ کہیں پیدا ہوئے ہوں، اس حسن فطرت سے آراستہ ہوتے ہیں، بچہ فطرت کے مطابق علم میں پروان چڑھے تو بڑا ہو کر بھی فطرت کی طرح معصوم رہتا ہے اور جسمانی، ذہنی، اخلاقی عروج کا پیکر ہوتا ہے، جسے حقیقت میں انسان کہا جا سکے۔ اور اگر ایسا نہیں ہو رہا تو ظاہر ہے سارا فساد اس کی اپنی ذات میں، معاشرے، ماحول اور اس علم کا پیدا کردہ ہے جو اسے دیا گیا ہے۔

لے دے کے بات اس پر آجاتی ہے کہ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ علم ہی انسان کی راہ کھوٹی کرتا ہے۔ یہ ہے اصل حقیقت اپنے ذہن و عقل کی۔ اس عقل ظاہر ہی کا سہارا لے کر جیتے رہنا شیوہ انسانیت نہیں ہے۔ سطحی اور ذہنی حاصل کردہ علم کے تحت یہ کتنا بڑا خطرہ ہے کہ اپنے ذاتی خلوص کے باوجود اگر غلط علم کو ہی صداقت مان کر شدّت سے، خون پسینہ ایک کرے عمل کرتے رہے، تب بھی کیا بن سکتا ہے۔ یہی کچھ اپنے صاحبان عقل و دانش کو دیکھنا اور پانا ہے۔ اسی کے پیچھے قوم کی زبوں حالی، تمام فلاحی پروگراموں کی پے در

پے نا کامی، اورقوم کا شیرازہ منتشر سے منتشرتر ہوتے جانے کا سبب پالینا ہے۔

حب رسولؐ فراستِ مومن کا سرچشمہ

بات یہ ہے کہ ظاہر تک تو ہماری شدّت سے نظر گئی۔اپنے علم اور اپنے خلوص پر بھی بھروسہ کیا۔مگر اس خلوص کوعمل پیرا کرانے کے لئے راہ بھی خود ہی مقرر کر بیٹھے۔اپنی عقل پر تو اتنا ایمان رہا مگر جس سے محبت کا نام ایمان تھا اس ذاتِ گرامی کو بھلا بیٹھے۔جس سے محبت کےعوض ہی تائید ربی مل سکتی تھی اس کی فکر نہ کی۔جس کی طرف دن رات اپنے ہرعمل میں نظر رکھتے ہوئے صحیح طریق راہ نصیب ہوسکتا تھا اس کو بھلا بیٹھے۔زبانی درودصلوٰۃ تو بہت کچھ پڑھا،کبھی اس کی زندہ حقیقت کومحسوس نہ کیا۔اپنے علم، اپنی عقل و دانش، مذہبی کتابوں پر دسترس نے یہ فرصت ہی کہاں دی کہ اس کا بھی کچھ خیال کرتے جس پر اللہ و ملائک بھی مصروف درود ہیں، جس کے ذکرکو آسمانوں میں بلند کر دیا گیا ہے۔جسے کوثر عطا کی گئی ہے، جسے اس کے دشمن کےخوار ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے۔غیروں سے گلہ کیا اپنے ہی جب والی،مولا، ہادی و رسولؐ سے اس طرح کنارہ کشی کر بیٹھیں تو ان کا خود حال ابتر کیوں نہ ہو۔جن کا کلمہ پڑھا ان کا دامن رحمت نصیب نہ ہوا تو تمھارا زہد وتقویٰ، ریاضت وعبادت علم وفہم اکتسابی اور کتابی علم،کس کا م کا۔تم اپنے نفس، اپنی ذاتی اغراض، اپنی بخشش ونجات کے چکروں سے ہی نہیں نکلے تو تم کیا جانورمومن ہونے کی شان؟ محبت کرنے والوں اورمر مٹنے والوں کی آن۔

تم کیا جانو کہ فراست مومن کیا ہے؟ یہ فراست مومن ہی تو تھی جس کے آگے کفار لرزہ براندم تھے۔یہ فراست مومن ہی تھی جس کے انوار جاہل بدوؤں تک میں آگئے تھے۔یہ فراست مومن ہی ہے جس کا ذکرقرآن میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔مومن وہی ہے جس کا ذکرقرآن میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔مومن وہی ہے جو مرمٹنا جانتا ہے۔بدوؤں کی طرح یار پر فدا ہو جانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔اس کا مطمع نظرمحبوب ہمارا مطمع نظر زہد وتقویٰ ہے یا علم و دانش۔تو خود دیکھ لیں کہ کہاں سے کہاں قوم کو پہنچا دیا۔آج بھی یہود و ہنود و نصاریٰ جومسلمانوں سے ڈرتے ہیں وہ

صرف اسی بات سے کہ یہ قوم یار کے نام پر بے دریغ قربان ہونا جانتی ہے۔ یہ محبت، یہ جذبہ اس قوم سے نکال دوتو پھر رہنے دوانہیں مسلمان، کہ جئے جائیں اپنی ظاہر داری، عقل و دانش کی تاریکیوں میں، آخرت کی امید میں۔ اب مسلمانوں کو ان کی ظاہرداری اور ظاہر بینوں سے نکلنا ہے۔ یار کی غیرت میں ایک ہو جانا ہے۔ وہی بدوؤں کی سی سادگی، وہی فراست ومومن، تائید ربی، القا، جس کا سرچشمہ محبت ہے، ایمان ہے نبی کریمؐ کی ذات میں۔ یہی تعلق ، یہی نسبت، یہی فدا ہو جانے کا جذبہ ان کی مشعل راہ تھا۔ وہ دل سے نبی کریمؐ کی طرف ہر وقت رجوع تھے۔ جب بھی کوئی دشواری آتی دھیان یار کی طرف کرتے، کتابوں کے ورق نہ گردانتے، بلکہ اپنے محبوب کی غیرت کو اپنے اندر پانے اور ہدایت اندر سے پھوٹ پڑتی۔اس فراست مومن کے سرچشمے عقل میں نہیں تھے بلکہ دل میں تھے، محبت کے تعلق میں تھے، ایمان اور بھروسے میں تھے، علم لدنی کے سہارے تھے، القا پر مبنی تھے۔ بھلا یہ بھروسہ کونسے ظاہری علم کے ذریعے حاصل ہوسکتا تھا۔ یہ محبتوں کے چراغ تو اپنے اندر روشن تھے۔ باہر سے تو اس کی تائید مل رہی تھی۔ یا پھر اس بھروسے اور ایمان پر وحی و الہام کے پیغامات سے مہریں ثبت ہو رہی تھیں۔ معصومیت اور عشق اپنے ہی اندر تھا جس کے دروازے محبوبؐ کے تخیل میں کشادہ کر دئے گئے تھے۔

فطرت معصوم ہے، اس میں عشق ہے، کشش ہے، کن ہے، ارتقاء ہے فروغ ہے، نمو ہے تو اپنے وجود کو بھی نمو اور فروغ و ارتقا کی فطری چال چلنے دو جس میں بقائے دام ہے۔ اس نصب العین کو اپنانے دو جس میں پائدار اقدار ہیں۔ بصیرت کی نظر سے دیکھو گے تو صرف ان اعمال و کردار کو دوام ہے، حیات ہے، بقائے ہے جو انفرادیت کی راہ سے ہٹ ک جمعیت کا رخ لئے ہوں۔ فرد کی فنا ہے، جمعیت کو بقا ہے۔ جمعیت سے تقویت بغیر کشش، بغیر عشق ومحبت کی صلاحیت کو اپنے اندر ابھرنے دو۔ دل کو اپنے وجود کی زمین میں گاڑ دو کہ تمھاری رگ رگ ، ونس نس میں تمھارے تخیل، ارادے، عمل اور کردار میں یہ جمعیت کی محبت کا جذبہ جاں گزیں ہوجائے، محبت کو اپنے وجود میں جاگزیں کرنے کے لئے آب حیات ذکر خفی ہے۔ جمعیت کے شجر طیبہ کو جس میں تمھارا اپنا وجود و کردار بھی ہے خفی کے پانی سے تقویت ملے اور نورِ عقل جو عقل کل ہے،

جو نور کی شکل میں کائنات وجود پر حاوی و ساری ہے اس کی روشنی میں یہ شجر پھلے پھولے۔ حقیقت بنی تمھارے وجود و کردار میں آئے تو تم اس وقت

اَصْلُهَا ثَابِتٌ فِیْ الْاَرْض

کی تمثیل ہوگے کہ تمھاری جڑیں تمھارے وجود میں مستحکم ہوں گی اور تم نور عقل کی روشنی سے سمٰوات میں بلند ہو رہے ہو گے۔

لیکن زمیں کھود کر جڑوں، اپنی نسل، اپنے علم وفضیلت، اپنی عقل، اپنی ہنر مندی، اپنی قوت، اپنی دولت، اپنے اقتدار، اپنی 'میں' کو دیکھنے کی کوشش نہ کرنا تا کہ تمھیں خود فریبی اور غرور نہ گھیرے۔ اور یہ خود بینی و خود پرستی تمھیں اپنی طرف کھینچ کر بلندیوں کی طرف رجوع ہونے سے بے بہرہ نہ کر بیٹھے۔ ہاں عجز اور غم کے آنسوؤں اور عمل صالح کی پسینے کی بارش سے دنیا کی گرد وغبار، جو دھوپ یعنی رحمت کی راہ میں حجاب بن جاتے ہیں، دھلتے رہیں، تب کہیں فراست مومن حاصل ہوتی ہے۔ یہ فراستِ مومن، عقل کی فراست سے بلند شے ہے۔ عقل کی فراست سے تو علم کا غرور آجاتا ہے جو عذاب ہے۔ البتہ جس علم سے عاجزی نصیب ہوتی ہے وہ یہی القائے ربی ہے۔ کیونکہ اصل رشد و ہدایت کا سرچشمہ تو وہی ہدایت من جانب اللہ ہے۔ عاجزی ہی عبدیت و بندگی و اخلاص و شان فقری ہے۔ اس لئے اپنی تمام قابلیوں، صلاحیتوں کے ہوتے ہوئے، اپنی تمام کوششوں، مجاہدوں، ریاضتوں، خدمتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اپنے تمام پسینوں کو بہاتے ہوئے اپنے میں اس عاجزی کا کیف لو۔

مقامِ بندگی، غمِ امّت:

مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خدا وندی

کا رمز پاؤ کہ اسی اور صرف اسی نوعیت میں یہ دنیا کا گرد وغبار یعنی جھوٹی ستائش، جھوٹا نام ونمود اور علم وفضیلت، جاہ وجلال، پارسائی، خدمت خلق وغیرہ خود اعتنائی میں تمھیں ڈال کر تمھاری عاجزی کو برباد نہ

کر ڈالیں۔تمھارے عاجز اورٹوٹے ہوئے دل کی پکار، اُمّت کے غم میں تمھارے آنسو ہی تمھاری دولت ہیں یہ نہ خودغرضی کی وجہ سے ہوں گے، نہ نام ونمود کی خاطر۔ تب ہی تم رحمت کے مستحق ہوگے اور رحمۃً لِلّعالمین کی سنت ادا کر رہے ہوگے۔ رحمت کی دھوپ میں ہی شجر طَیِّبَه فَرْعُهَا فِیْ السَّمَاءِ ہوسکتا ہے۔ تب ہی کہیں فراست مومن حاصل ہوسکتی ہے۔اس حالت میں تمھاری مادی، جسمانی عقل تمھاری رہبری نہ کر رہی ہوگی۔ بلکہ نورِعقل جوخودتمھاری فطرت میں ودیعت تھا اوراب تک حجاب میں تھا، بے نقاب ہو جائے گا۔تب کہیں تم خودگواہی دے سکو گے کہ۔

؎ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

غیب کا سرچشمہ رحمت

اس نورعقل کی روشنی میں تم اس عقل کی ترکیبوں کا مقابلہ کرسکو گے جس کی جڑیں نفس کل میں ہیں۔ کیونکہ اب ہدایت و روشنی بالواسطہ حق سے، تمھارے باطن وجود کے ذریعہ، تمھیں حاصل ہو رہی ہوگی۔ عام روشنی کی طرح اس روشنی کوتم نہیں دیکھ سکتے مگران رحمت کے انواروں میں تم بات پالو گے کہ فی الواقعہ سرچشمہ رحمت تو غیب میں ہے۔اوراس کے انوارتمھارے تخیل، عقل، اعمال، کردار سے رونما ہو رہے ہیں۔ فراستِ مومن کا سرچشمہ فیضان، وہی دامنِ رحمت ہے جس سے عشق کی یک رخی میں شدّت سے وابستگی ہے۔فضل، رحمت، برکت، ہی اصل رشد و ہدایت ہے۔اپنی عقل و دانش کو'میں' کی کثافتوں سے بلند کرکے اسی نورعقل سے رابطہ قائم کرو۔صداقت وخلوص، وفا، ایمان، ایقان، سب کے سب محبت ہی کے فیضان ہیں۔اورمحبت پیدا ہوتی ہے محبوبؐ کے رابطے سے،محبوب کواپنے اندر بسانے سے،محبوبؐ کی موجودگی اپنے جود کےغیب میں پا جانے سے۔اسی کیفیت کو پا جانے کے لئے جوکام ہو، ارادہ ہو، تخیل ہو،عمل ہو،محبوبؐ کی خاطر ہو،محبوبؐ کے وسیلے سے ہو،محبوبؐ کی اُمّت کے لئے ہو، اس حالت میں ریا اورخودفریبی تو تمھارےنزدیک بھی نہیں بھٹک سکتی۔

گویا فراستِ مومن کے لئے بس ایک ایمان چاہیے نہ کہ تدبر اور مادی وسیلوں پر بھروسہ۔محبوبؐ سے

اس تعلق کے طفیل تم دیکھو گے کہ رحمت کس طرح تمھارے لئے بے چین ہے۔ تمھیں حق کی کیا تلاش ہوگی جو حق کو تمھاری ہے۔ پھر جب حق سے اس طرح نسبت قائم ہو جائے تو دشمنوں کے ڈورے اور ریشہ دوانیاں، عقل و مکر کی چالبازیاں کہاں تمھارا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ محبوبؐ سے نسبت اور محبت قائم ہو جانے کا اندازہ تم اسی سے کر سکتے ہو کہ تم ان کی اُمّت کے لئے سراپا محبت اور رحمت بن جاؤ۔ اب ان ہی شکستہ حال، گنہگار مسلمانوں سے تمھیں محبت ہو جائے گی اس لئے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا "گنہگار میرے" یہی تو رحمت اللعالمینی ہے جس کے تصدق سب فطرت ہے اور جس کی بنا پر تمھارا والی محبوبؐ رب العالمین کے لقب سے نوازا گیا ہے۔

جان لو کہ ہدایت نہ علم سے ہے، نہ اپنی عقل سے ہے، نہ فہم و دانش سے ہے، نہ کتابوں سے ہے۔ ان سب میں روشنی اور نورِ ہدایت بس اسی نسبت سے ہے جسے نسبت محمدیؐ کہتے ہیں اور یہ ایک والہانہ لگاؤ ہے۔ ایک اعتماد اور بھروسے کی بات ہے۔ محبت کی بات ہے۔ محبت کے لئے نہ شرائط ہوتی ہیں، نہ دلیلیں۔ جسے بھی نصیب ہو جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ **رحمتٌ للعالمین** کی طرف تمھارا رخ ہو اور ان کی رحمت سے تم محروم رہ جاؤ۔ اس **رحمت للعالمینی** کو زندہ پائندہ حقیقت مان لو۔ عقل و دانش کی گمراہی سے بچو کہ وہ تو سوائے 'میں' اور اپنی عقل کے کسی دوسری حقیقت کو ماننے سے روکتی ہے۔ حالانکہ فراست مومن تو یہ ہے کہ سب کچھ محبوبؐ کے تصور میں ہے۔ محبوبؐ کو اپنے اندر بسانے میں ہے۔ گویا کلمہ کیا پڑھ لیا کہ محبوبؐ پر فدا ہو گئے۔

اس دنیوی فراست، عقل و دانش کا مقابلہ جس فراست مومن کی سطح سے ہو سکتا ہے نہ دلیلوں کی بات ہے، نہ منطق کی، نہ رد دلائل کی، نہ علم و دانش کی، نہ کتاب و لکچر کی، نہ پند و نصائح کی، نہ ورد و ظائف کی، نہ اصلاحی پروگراموں اور ان پر عمل درآمد کرانے کی۔ یہ تو سب سطحی چیزیں ہیں۔ اصل بات باطن کی ہے، اپنے اندر کی ہے۔ لگاؤ، کشش اور محبت کی ہے اور وہاں تک رسائی صرف ایمان کے فیضان سے ہو سکتی ہے۔ یہ ایمان بالغیب کی بات ہے۔ جن کی زندگیاں محبوبؐ کے لئے ہو گئی ہوں انہیں کون گمراہ کر سکتا ہے۔

جو محبوب کے نام پر فدا ہونا جان گئے۔انھیں کون موت سے ڈرا سکتا ہے۔جن کا عمل محبوب کی خاطر ہو گیا۔ ان کے قدم کون اُکھاڑ سکتا ہے۔

فراستِ مومن اور فتوح القلوب:

یہ بھی سادہ سی بات ہے کہ منافرت، مخالفت ، چالبازی کا مقابلہ اسی مکاری کی سطح سے کرو تو زیادہ منافرت، مخالفت میں پڑ جاؤ گے۔مگر بات تو فتح کی ہے، فروغِ اسلام کی ہے، ارتقائے انسانیت کی ہے۔فتح یہ نہیں کہ دشمن کو زیر کر دیا جائے یا ختم کر دیا جائے بلکہ فتح یہ ہے کہ اسے بھی اپنا لیا جائے۔اس کا بھی سینہ کشادہ کر دیا جائے۔ جب وہ دل سے تمھاری برتری، بزرگی، اخلاق، اقتدار، مان لے اور اسے اپنے لئے رحمت سمجھے، تب بات ہوئی۔محبت، رحمت تو وہ تلوار ہے کہ تلوار بھی چلے تو عالم کی بہتری کی خاطر، فساد کو مٹا دینے کی خاطر۔اس میں نفرت کا جذبہ بالکل نہیں۔نفرت اور محبت کی مار میں بڑا فرق ہے۔یوں ڈاکٹر بھی آپریشن کرتا ہے، کاٹ چھانٹ کرتا ہے۔ یہ بھی تو رحمت کا ایک پہلو ہے اور بغیر اس کے کام بھی نہیں بنتا۔ ماں باپ مصلح کی حیثیت سے بچے پر سختی کرتے ہیں۔ جانور کو بھی سدھارنے کے لئے اس پر سختی کی جاتی ہے۔گو ظاہر بیں آنکھ کو یہ ظلم، جہالت، کرختگی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں اس کے پیچھے وہی جذبہ شفقت و محبت اور رحمۃ للعالمینی دیکھتے ہیں۔اور یہ بات عین فطرت کے نظام کے مطابق بھی ہے کہ نا اہل کی جگہ اہل کو دیتی ہے۔فرد کے وجود سے جمعیت و انسانیت کا روپ ڈھالتی ہے۔اور اُمّت کے وجود سے نا اہلیت کو ہٹا کر اس کی لَا اِلٰہ کراتی ہے۔پھر اس کے حسن کو سنوارنے کے لئے باطنی ہدایت و انوار، حسنِ کردار و عمل عطا کرتی ہے، جن کو دوام ہے، بقا ہے۔ یہ اس کی اِلَّا اللہ ہے۔اس کے بعد ہی کہیں رحمۃ اللعالمینی وسیلے سے رحمت کارفرما ہونے لگتی ہے اور تب ہی صحیح معنوں میں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تکمیل، انفرادی اور اجتماعی وجودوں میں ہوتی ہے۔فراست مومن کی کنجی بس یہی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ہے۔ یہی اس کی عقل و دانش کا نور ہے۔ یہی اس کے عمل و کردار کا حسن، یہی اس کے جہاد کی تلوار اور مقصد سب کا ایک ہی

ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَتً لِلْعٰالَمِیْنَ o

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر تجلّی فرماتا ہے تو اس کی عقل کے نور کو اپنی بلند ذات کی وحدت کے نور سے روشن فرماتا ہے۔ پس وہ اپنی صفت کو اس کی صفت دیکھتا ہے۔ اور اپنے فعل کو اس کا فعل دیکھتا ہے۔ اس وقت حادث (نیا) اور قدیم (پرانا) کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اس مقام کو جمع (ایکائی) کا مقام کہا جاتا ہے اور توحید میں اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔''

(ترجمہ قول غوثِ پاکؒ)

❁❁❁❁❁

فالم